© rasailojaraid.com

تدبیر ہے، تب حضرت حبابؓ نے اس جگہ کو جنگی حکمت عملی کے اعتبار سے نامناسب قرار دیا اور دوسری جگہ کی نشان دہی کی۔ آپؐ نے ان کی تجویز پر عمل کیا۔ بعد کے واقعات نے ان کے مشورہ کو صائب ثابت کر دیا۔ اس واقعہ کا ذکر کتاب میں موجود نہیں ہے۔ اسی طرح غزوۂ احد کے بیان میں عبداللہ بن ابی بن سلول کا نام نہیں آسکا ہے، نہ کہیں کھل کر لفظ منافق کا استعمال ہوا ہے، حالاں کہ اس موقع پر منافقین کی سازش بڑی اور گہری تھی۔ احد کے سلسلے میں مولانا نے ایک نئی بات لکھی ہے کہ میدانِ جنگ اور مدینہ شہر کے درمیان ایک خشک نالہ تھا جس کا ایک سرا کفار کی فوجوں کے مقام تک پہنچتا تھا۔ حضرت خالد نے اسی نالہ کے راستے آکر پشت سے حملہ کر دیا (ص ۲۲۸)۔

الغرض یہ کہ یہ کتاب سیرت لٹریچر میں ایک نمایاں اضافہ ہے۔ اس میں بہت سے لؤلؤ و مرجان ایسے ہیں جو سیرت کی بڑی ضخیم کتابوں میں بھی نہیں ملتے۔ یہ کتاب شائقینِ سیرت کے لیے ایک نادر تحفہ اور اہلِ بصیرت کے لیے سرمۂ چشم ہے۔

(احتشام احمد ندوی)

عہد اسلامی کے ہندوستان میں معاشرت، معیشت اور حکومت کے مسائل

(علماء کی فقہی تشریحات اور حکمرانوں کے اقدامات کا مطالعہ) پروفیسر ظفرالاسلام

ناشر: اسلامک بک فاؤنڈیشن، سوئی والان، نئی دہلی، ۲۰۰۹ء

قرآن حکیم اور احادیث رسول ﷺ اسلامی قوانین (یعنی شریعتِ اسلامی) کے منابع ہیں۔ اسلامی قوانین کا نفاذ ارباب حکومت کی ذمہ داری ہے۔ بعد کے ادوار میں حکمراں طبقہ نے قوانین کے نفاذ اور معاشرے میں انصاف یعنی عدالت سے متعلق امور فقہاء کے حوالے کر دیے، جو کہ حکومت کی طرف سے قاضی اور مفتی کی حیثیت سے مقرر ہوتے تھے۔ قاضی اور مفتی (فقہاء) کو قوانین کے نفاذ کے سلسلے میں پورا تعاون ملتا تھا۔ جب خلافت عباسیہ کی عسکری طاقت زوال پذیر ہوئی اور اس کے متعین کردہ امراء خودمختار ہو گئے اور علاقائی سلطنتیں وجود میں آئیں تو کبھی کبھی سلاطین اپنے سیاسی مصالح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے تحت عدالتی امور میں فقہاء کو نظر انداز کر کے شریعت کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوتے تھے۔ لہٰذا فقہا اور ارباب حکومت کے مابین کش مکش کا ماحول پیدا ہوجاتا تھا۔ کیوں کہ علماء اور فقہا مذہبی رہنما تھے اور وہ عوام اور خواص کو دینی قیادت فراہم کرتے تھے، اس لیے معاشرے میں ان کا وقار تھا۔ فرماں روائے وقت سے ان کی ناراضی اس کی نامقبولیت کا سبب بن جاتی تھی۔ مسلمانوں کی تاریخ میں سلطان محمود غزنوی (م ۱۰۳۰ء) پہلا سلطان معلوم ہوتا ہے جس نے اس اہم مسئلہ کا حل تلاش کیا۔ اس نے فقہاء سے سمجھوتہ کیا کہ سیاسی امور یعنی فوج، ملک میں امن و امان قایم کرنے سے متعلق امور اور سلطنت کے مالی وسائل سلطان کی تحویل میں ہوں گے جب کہ شریعت کی توضیح وتشریح اور اس کا نفاذ فقہاء یا علماء کا دائرۂ عمل ہوگا۔ سلطان یا اس کے افسران کو عدالتی امور میں دخل دینے کا حق نہیں ہوگا۔ صرف سیاسی مجرمین جو کہ سلطان یا سلطنت کے خلاف سازش میں ملوث ہوں ان کو سلطان اپنی صواب دید کے مطابق سزا دے گا جس میں قاضی یا مفتی دخل نہیں دیں گے۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیے راقم الحروف کی انگریزی تالیف:

Authority and Kingship Under the Sultans of Delhi, New Delhi, 2006, pp.8-10.

اگرچہ دور جدید میں ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی تاریخ پر مختلف پہلوؤں پر تحقیق ہوئی ہے، لیکن اسلامی قوانین اور نظام عدل کے مطالعہ کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی ہے۔ ہمارے عہد کے محققین میں صرف محمد بشیر احمد نے اس موضوع پر تحقیق کی پہل کی تھی، لیکن ان کی دست رس عہد وسطیٰ کے تمام فتاویٰ لٹریچر تک نہیں تھی، نتیجتاً ان کا مطالعہ بھرپور نہیں ہوسکا۔ زیر تبصرہ کتاب ان خامیوں کا ازالہ کرتی ہے۔ اس کے مؤلف پروفیسر ظفر الاسلام ہندوستان کے عہدِ وسطیٰ کی سیاسی اور معاشرتی تاریخ کا عمیق مطالعہ رکھنے کے ساتھ اسلامیات کے بھی محقق اور عالم ہیں۔ اس کتاب سے پہلے ان کی انگلش زبان میں کتاب:

"Fatawa Literature of the Sultanate Period, New Delhi, 2005"

علمی حلقوں میں خراج تحسین حاصل کر چکی ہے۔ زیر تبصرہ کتاب اردو زبان میں اسی زمرہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی ایک کڑی ہے اور عہد وسطیٰ کی تاریخ سے متعلق لٹریچر میں گراں قدر اضافہ ہے۔

زیر تبصرہ کتاب چھ ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول میں تفصیل کے ساتھ عہد دہلی سلطنت کے فتاویٰ کے لٹریچر میں ان مسائل کی نشان دہی کی ہے جن سے دہلی سلطنت میں معاشی، سماجی، سیاسی اور غیر مسلم شہریوں کے بارے میں مسلم حکمرانوں کی اختیار کردہ حکمت عملی پر روشنی پڑتی ہے۔ فقہی کتب (یعنی فتاویٰ لٹریچر) میں کلاسیکل (قدیم) عربی کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے اور مدد لی گئی ہے۔ مثال کے طور پر ہندو یا کسی دوسرے غیر مسلم کے لیے 'ذمی' اصطلاح استعمال ہوتی تھی۔ اس اصطلاح اور ایسی ہی دوسری عربی فقہی کتب کی اصطلاحات کی بنا پر دورِ جدید کے محققین نے یہ سمجھ لیا کہ اس لٹریچر میں کلاسیکل لٹریچر کی نقل ہے اور ان کو عہد وسطیٰ کے ہندوستان کے حالات یا ثقافت کی تصویر کشی نہیں کہی جاسکتی، لہٰذا پورا لٹریچر نظر انداز کر دیا گیا۔ کتاب کے باب اول سے یہ غلط فہمی دور ہوتی ہے۔ مصنف نے تعارفی کلمات میں صحیح کہا ہے کہ عہد دہلی سلطنت کی فقہی کتب کے مباحث اور اس عہد کے مورخین کے بیانات کے مطالعہ اور تجزیہ سے یہ حقیقت ظاہر ہوجاتی ہے کہ علماء نے اپنی فقہی تشریحات اور توضیحات کو صرف قدیم یا عام مسائل تک محدود نہیں رکھا، بلکہ اس عہد میں ابھرنے والے نئے مسائل کی تعبیر اور ترجمانی میں بھی دل چسپی لی۔ (ص ٦)

پہلے باب میں دل چسپ بحث ان مسائل پر ہے جو کہ ہندوستانی ماحول میں حکم رانوں اور مسلمانوں کو پیش آئے۔ مثال کے طور پر ہندوستان میں توہم پرستی عام تھی۔ جب پس ماندہ اہل حرفہ مسلم معاشرت سے متاثر ہوکر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تو ان کے ساتھ توہم پرستی مسلم معاشرے میں بھی سرایت کرنے لگی، خاص طور پر نومسلم عورتوں کے ذریعہ۔ عورتیں بیماری یا کسی دوسری آفت سے بچنے کے لیے تعویذ گنڈوں کا استعمال کرتی تھیں۔ بہت سے لوگ تعویذ لکھ کر دینے اور گنڈا (ڈورہ) دے کر روپیہ پیسہ لینے لگے۔ 'فتاویٰ فیروز شاہی' میں تعویذ کے استعمال یا تعویذ نویسی کی شرعی حیثیت پر بہ راہ راست اظہار خیال کرنے کے بجائے اس عمل کو پیشہ ورانہ طور پر اختیار کرنے کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فتاویٰ فیروز شاہی کے مؤلف نے اس طرح حاصل کیے ہوئے مال کو حرام قرار دیا ہے۔ (ص۱۹)

ہندوستان میں زمانۂ قدیم سے ایک طرح کا بینکنگ (Banking system) چلا آرہا تھا، جس کے تحت ہُنڈی (عربی اصطلاح سفتجہ) کے ذریعہ مال یعنی روپیہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جاتا تھا۔ فتاویٰ فیروز شاہی میں اس سوال کے جواب میں کہ کیا کسی شریک تجارت کے لیے یہ شرعاً جائز ہے کہ وہ ہنڈی کے ذریعہ کسی سے لین دین کا معاملہ کرے؟ کہا گیا ہے کہ ہنڈی کا استعمال جائز ہے۔ (ص۲۲)

عوام الناس کی آسانی اور بہبود کے لیے ایک اہم مسئلہ ضروری اشیاء کی قیمتوں پر کنٹرول کا تھا۔ کیا حکومت کے لیے شرعاً جائز ہے کہ وہ مارکیٹ کو کنٹرول کرے؟ فقہ حنفی، جس کی پیروی ہندوستانی مسلمانوں کی اکثریت کرتی تھی اور جو کہ عملاً سرکاری قانون تھا، اس کے مطابق یہ جائز نہیں تھا۔ فقہ حنفی کے برعکس فقہ مالکی ہنگامی حالات میں حکومت کو اختیار دیتی ہے۔ سلاطین دہلی میں سلطان علاء الدین خلجی (عہد ۱۲۹۶ء تا ۱۳۱۶ء) نے دہلی شہر میں مارکیٹ کنٹرول نافذ کیا، جس سے عوام مستفیض ہوئے۔ معاصر مؤرخین کی تالیفات سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کے اس اقدام کو اس وقت کے فقہا اور علما نے سراہا اور سلطان کی تعریف کی۔ مصنف نے صحیح تبصرہ کیا ہے کہ اگرچہ فقہ حنفی سرکاری مسلک تھا، لیکن ''بعض اوقات غیر حنفی مسلک کو اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھا جاتا تھا۔ (ص۲۹)

بہر حال مصنف کے اس بیان کی فقہی کتب سے تصدیق ہوتی ہے کہ عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں مسلم حکم رانوں کے زیر حکومت علاقوں کے علماء اور فقہا نہ صرف یہ کہ عصری مسائل (خواہ ان کا تعلق معاشرت ومعیشت سے ہو یا حکومت کے نظم ونسق سے) کے معاملے میں حساس تھے، بلکہ انھوں نے اپنی علمی مجالس اور تالیفات کی وساطت سے اس احساس وشعور کو ظاہر بھی کیا۔ دوسرے کتاب ہذا سے اس غلط فہمی کا تدارک ہوتا ہے کہ عہد وسطیٰ کے ہندوستان کی فقہی سرگرمیاں محض قدیم متون کی تشریح وتوضیح یا متقدمین کے خیالات کی ترجمانی تک محدود تھیں۔ (ص۳۱)

باب دوم میں دہلی سلطنت کے عہد کے فقہی لٹریچر کا تجزیہ ہے۔ اس لٹریچر میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خاص طور پر ان مسائل پر توجہ مرکوز کی گئی ہے جو غیر مسلم اور مسلم کے مابین تجارتی اور دوسرے سماجی روابط سے متعلق ہیں۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ فقہی کتب میں، جو کسی زمانہ میں اور کسی ملک میں لکھی گئی ہوں، اصطلاحات کلاسیکل لٹریچر ہی کی استعمال ہوتی ہیں، کیوں کہ وہ مروّج تھیں۔ مثال کے طور پر غیر مسلم، عیسائی ہو یا یہودی یا پارسی یا ہندو، اس کو ذمی ہی کہا گیا ہے۔ مثلاً فتاویٰ فیروز شاہی میں ایسے سوالات کے جوابات ملتے ہیں جن کا تعلق ہندو مسلم مشترکہ خاندان سے ہے۔ مثلاً ایک سوال یہ ہے کہ ایک خاندان کے نو مسلم اور اس کے غیر مسلم رشتہ داروں میں کس طرح کے روابط قایم ہوں؟ اس زمانہ میں ایسے خاندان تھے جن میں بیٹا مسلمان ہوگیا تھا، لیکن اس کے ماں باپ اپنے قدیم مذہب پر قایم تھے، یا ایک بھائی نے اسلام قبول کرلیا اور دوسرا بھائی ہندو ہی رہا۔ فتاویٰ فیروز شاہی ان کے انسانی حقوق کی ادائیگی کی اجازت دیتا ہے، تاہم ان مسائل سے احتراز کی تلقین کرتا ہے جو اسلامی تعلیمات سے متصادم ہوں (ص ۴۱)۔ اسی طرح اسلامی قانون یا نظام عدل میں مسلم اور غیر مسلم کے درمیان کوئی تفریق یا امتیاز جائز نہیں تھا، قانون کا اطلاق سب پر یکساں طور پر ہوتا تھا۔ مثال کے طور پر ایک سوال یہ ملتا ہے: ''اس مسئلہ میں کیا رائے ہے کہ زید نے اپنے مکان کو عمرو کو شرعی طور پر فروخت کردیا، لیکن اس کے پڑوس میں ایک ذمی ہے، کیا اس کو حق شفعہ حاصل ہے؟ اور کیا ذمی قانونی طور پر شفعہ کی شرائط کے مطابق اسے حاصل کرسکتا ہے؟ جواب ہے: ''حاصل کرسکتا ہے'' (ص ۴۲)

زمین داری سے متعلق حقوق کے حصول کا تذکرہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ زمین داری کا حق کسی شخص کو سلطان یا بادشاہ تو عنایت کرتا ہی تھا، اس کے علاوہ آدمی جنگل کو صاف کرکے یا کسی افتادہ زمین کو زیرِ کاشت لاتا تو وہ زمین اس کی ملکیت ہوجاتی تھی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بڑے علاقہ میں جنگل صاف کرکے وہاں لوگوں کو آباد کرکے گاؤں تعمیر کرتا تھا تو وہ اس کا زمین دار بن جاتا تھا۔ اس معاملہ میں ہندو یا مسلم کے درمیان کوئی فرق نہیں تھا۔ فتاویٰ فیروز شاہی میں ایک سوال یہ ہے: ''اگر ایک ذمی صحیح اور شرعی طور پر افتادہ زمین کو اپنی کاشت میں لاتا ہے تو کیا وہ اس کا مالک ہوجائے گا؟ جواب ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

’’مالک ہو جائے گا‘‘ (ص ۴۲ تا ۴۳)۔ اسی طرح قتل کے مجرم سے متعلق قانون تھا۔ قاتل کوئی بھی ہو، شرعی قانون کے مطابق موجبِ سزا تھا، یعنی اس کے لیے سزائے موت تھی۔ ایسے ہی قصاص کے بجائے دیت واجب الادا مسلم اور غیر مسلم قاتل دونوں کے لیے یکساں تھی۔ مقتول مسلم ہو یا غیر مسلم یا غیر ملکی سب کی دیت برابر تھی۔ (ص ۴۷)

جہاں تک غیر مسلم شہریوں پر جزیہ لگانے کا معاملہ ہے، فقہی کتب میں اس کی بڑی تفصیل ملتی ہے۔ مثلاً جزیہ کن لوگوں پر کتنا لگایا جائے گا؟ اور اس کی ادائیگی سے کون لوگ مستثنیٰ ہوں گے؟ اس معاملہ میں قدیم فقہا کی رائے سے اتفاق کیا گیا ہے کہ معذور لوگ، جیسے نابینا، بیمار، بچے اور عورتیں مستثنیٰ ہوں گے۔ دوسرے جزیہ غیر مسلم کے ذرائع آمدنی کو نظر میں رکھ کر لگایا جائے گا۔ کتاب ہذا کے مطالعہ سے یہ تاثر ملتا ہے کہ جزیہ پوری سلطنت میں لگایا جاتا تھا۔ لیکن اس سلسلے میں معاصر فقہی کتب یا تاریخوں میں شہادت نہیں ملتی۔ مجھے ڈاکٹر پیٹر جیکسن سے اتفاق ہے۔ ان کی رائے یہ ہے کہ شہر دہلی جو کہ دارالسلطنت تھا وہیں جزیہ وصول کیا جاتا تھا، دہلی کی حدود سے باہر جزیہ وصول نہیں کیا جاتا تھا۔ (ملاحظہ کیجیے:
Peter Jackson, The Delhi Sultanate: A Political and Military History, Cambridge University Press, Cambridge, 1999)

اس طرح کی شہادت بھی ملتی ہے کہ عدالت سے انصاف حاصل کرنے کے لیے غیر مسلم بھی رجوع کرتے تھے۔ فتاویٰ تاتارخانی میں ہے کہ ’’اگر کسی غیر مسلم عورت کا شوہر اپنی بیوی کی حق تلفی کرتا ہے تو وہ قاضی کی عدالت سے انصاف کی طلب گار ہوتی تھی اور انصاف پاتی تھی‘‘۔ (ص ۵۵)

کتاب کا باب سوم عربوں کی ۱۳-۷۱۲ء کی فتح سندھ اور ملتان اور محمد بن قاسم کے مفتوحہ علاقہ کے ہندوؤں کے ساتھ حسن سلوک سے متعلق ہے۔ بے شک سندھ اور پنجاب میں نظم ونسق سے متعلق محمد بن قاسم کی اختیار کردہ حکمت عملی بھی قابل تعریف تھی، جس کے نتیجے میں مفتوحہ علاقہ کے عوام اس کے گرویدہ ہو گئے، اعلیٰ طبقہ کے ہندوؤں کے ساتھ اچھا سلوک ہی نہیں ہوا، بلکہ سماج میں ان کا جو وقار تھا اس میں بھی فرق نہیں آیا،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسرے اسلامی اخوت اور بھائی چارے کے تصورات سے پس ماندہ طبقے کے لوگوں کو بھی سماج میں ابھرنے کا موقعہ ملا۔ لیکن اس موضوع پر عہد حاضر کے محققین نے تمام حقائق کا تجزیہ پیش کر دیا ہے۔ اس ضمن میں مزید کہنے کی زیادہ گنجائش نہیں رہی ہے۔ مسلم فاتح کا ہندوؤں سے واسطہ پہلی مرتبہ ہوا تھا اور ہندو ایک قدیم مذہب کے پیرو تھے اور اپنی الگ تہذیب رکھتے تھے، لہٰذا انھیں ایرانی پارسیوں کی طرح اہل کتاب کے مشابہ مانتے ہوئے عیسائی اور یہودیوں کی طرح ذمی کا درجہ دے دیا گیا تھا۔ یہ حکمت عملی عہد آفریں ثابت ہوئی، کیوں کہ بعد میں مسلم حکم رانوں نے اس کی پیروی کی۔ میرے خیال میں یہ باب شروع میں مقدمہ کا حصہ ہوتا تو بہتر تھا۔

باب چہارم بیت المال اور اس کے اہم رول سے متعلق ہے۔ اس کی تکمیل میں فاضل مصنف نے فتاویٰ لٹریچر کا معاصر تاریخی لٹریچر سے تقابلی مطالعہ کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ بیت المال کا جو اسلامی تصور ہے عہدِ سلطنت میں وہی تصور رہا، اس کی خلاف ورزی نہیں ہوئی اور یہ کہ بیت المال کو شاہی خزانہ بھی کہا جاتا تھا، کیوں کہ یہ دو الگ الگ ادارے نہیں تھے، بیت المال یا شاہی خزانہ سے امور سلطنت سے متعلق اخراجات کے علاوہ سلطان کے ذاتی مصارف یا اس کے حرم کے مصارف بھی پورے ہوتے تھے۔ بجا طور پر مصنف نے زور دار الفاظ میں لکھا ہے کہ فرض شناس سلاطین رفاہ عام سے متعلق کاموں، جیسے مدارس، مساجد، خانقاہیں، پل، کنویں، دارالشفاء وغیرہ پر بیت المال کا روپیہ خرچ کرتے تھے، لیکن ایسے سلاطین بھی ہوئے ہیں جنھوں نے سرکاری خزانہ کو رفاہ عام پر خرچ کرنے کے بجائے اپنی عیش پرستی پر بے دریغ خرچ کیا۔ مثالیں کم نہیں ہیں، لیکن اختصار کو مدِ نظر رکھتے ہوئے صرف سلطان معزالدین کیقباد (عہد: ۱۲۸۷ء تا ۱۲۹۰ء) کی مثال کافی ہے۔ نوعمر سلطان کیقباد اپنے دادا سلطان غیاث الدین بلبن کے بعد دہلی کا سلطان بنا۔ اس نے تخت نشین ہونے پر دادا کا چھوڑا ہوا خزانہ شراب اور کنیزوں کو خریدنے پر خرچ کر ڈالا۔ جس کے نتیجے میں تین سال کے عرصہ میں خزانہ خالی ہوگیا۔ ضیاء الدین برنی کے مطابق اس کے بعد جب جلال الدین خلجی دہلی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے تخت پر آیا تو اس کو مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ضیاء الدین برنی نے سلطان علاء الدین خلجی اور قاضی مغیث الدین کے مابین بیت المال کے مسئلہ پر جو گفتگو نقل کی ہے اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ سلطان بیت المال کو اپنی مرضی اور صواب دید کے مطابق صرف کرنے کا خود کو مجاز تصور کرتا تھا۔ وہ اس معاملہ میں علماء اور شریعت کی پروا نہیں کرتا تھا۔ تاہم اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ سلطان علاء الدین کا دور اچھے نظم ونسق اور عوام کی خوش حالی کے اعتبار سے سلطنت کا عہد زریں کہا جاتا ہے۔ مختصراً کہنا چاہیے کہ ایسے فرماں روا کم ہوئے ہیں جو دین دار ہونے کی وجہ سے بیت المال کو اس کے اسلامی تصور کے مطابق استعمال کرنے کے قائل تھے۔

باب پنجم بہ عنوان ''آراضی ہند کی شرعی حیثیت عہد مغلیہ کے علماء کی نظر میں'' دو کتابوں پر مبنی ہے۔ پہلی کتاب کے مؤلف اکبر بادشاہ کے عہد کے فاضل صوفی شیخ جلال الدین تھانیسری چشتی صابری ہیں۔ ان کی کتاب کا عنوان 'رسالہ در بیع آراضی' ہے۔ دوسری کتاب اورنگ زیب بادشاہ کے ہم عصر قاضی محمد اعلیٰ تھانوی نے لکھی تھی۔ اس کا عنوان ''احکام الآراضی'' ہے۔ پروفیسر ظفرالاسلام نے دونوں کتابوں کی تالیف کے محرکات اور ان کے مواد کا معروضی تجزیہ پیش کیا ہے۔ شیخ جلال الدین تھانیسری نے اپنی تالیف اکبر بادشاہ کی علماء، مشائخ اور دوسرے مستحق لوگوں کو مدد معاش کی زمین دینے کے خلاف پالیسی کے خلاف ردِعمل میں لکھی تھی۔ مدد معاش کے مستحق وہ علماء اور فضلا تھے جو کسی رفاہ عام سے کام جیسے تعلیم وتدریس میں مصروف ہوتے تھے، یا دربار شاہی سے منسلک ہوکر امور دینی کی انجام دہی کی ذمہ داری پوری کرتے تھے۔ اکبر نے بہت سے لوگوں کی مدد معاش کو ضبط کرلیا یا، پھر مستحقین کی مدد معاش زمین میں بڑی کمی کردی۔ شیخ جلال الدین تھانیسری نے تاریخ اسلام اور فقہی کتب کی روشنی میں ثابت کیا کہ حکومت سے مدد معاش پانے والوں کو مالکانہ حقوق ملنے چاہیے اور مدد معاش زمین کا واپس لینا یا اس میں کمی کرنا جائز نہیں ہے۔ رسالہ احکام الآراضی تین ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے دو ابواب عربی زبان میں ہیں، جب کہ تیسرا باب زیادہ تر فارسی میں ہے۔ پروفیسر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ظفرالاسلام کے نزدیک اس باب کی بڑی اہمیت ہے، کیوں کہ اس میں مغلیہ عہد کے زرعی نظام کی بھی مثالیں ملتی ہیں جن سے کسان اور زمین دار کی پوزیشن کے علاوہ شعبۂ مال کے بعض اہم پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔ قاضی محمد اعلیٰ تھانوی کے مطابق دارالحرب میں آراضی، خواہ جنگ میں فتح کے نتیجہ میں حاصل ہو یا دشمن سے بغیر جنگ کے صلح کے معاہدہ کے بعد، ساری زمین بیت المال سے متعلق ہوتی ہے اور امام یا بادشاہ کو اس کا اختیار ہے کہ وہ چاہے تو سابق غیر مسلم مالکوں کے پاس خراج کے عوض رہنے دے یا پھر مسلمانوں میں بانٹ دے۔ تھانوی نے زمین داری کے موروثی ہونے کے تصور کو ناجائز بتایا ہے۔

مذکورہ بالا دونوں تالیفات عہد سلطنت دہلی اور مغل شہنشاہوں کے عہد کے مروجہ نظام کو نظرانداز کر کے لکھی گئی ہیں۔ تمام معاصر تاریخوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ دہلی سلطان یا بعد کے مغل فرماں رو اعلماء، شعراء، اطباء یا دانش وروں اور فنون لطیفہ کے ماہرین کو ان کے کارناموں یا رفاہ عام کے کاموں میں مصروف ہونے کی بنا پر قابل کاشت زمین مدد معاش کے طور پر بطور انعام دیتے تھے۔ ایک بادشاہ کے مرنے کے بعد اس کے جانشین کو حق تھا کہ وہ ان کو ضبط کر لے اور پھر انکوائری کے بعد جو صحیح مستحق پایا جائے اس کی مدد معاش سے متعلق سند کی تجدید کر دے۔ تاریخی لٹریچر کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اکبر کے بعد اس کے جانشینوں نے، جو مذہب اسلام کے حامی تھے، علماء کے سلسلے میں ہمدردانہ پالیسی اپنائی، لیکن اس سلسلے میں دہلی سلطنت کے آغاز سے جو نظام چلا آ رہا تھا اس میں تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ لہٰذا دونوں تالیفات کا خاص اثر نہیں ہوا۔ مدد معاش پانے والوں کو مالکانہ حقوق کبھی نہیں ملے۔

آخری باب ششم شیخ احمد سرہندی کی تحریک، جو کہ ہندوستانی معاشرے میں شریعت اسلامی کے احیاء کے سلسلے میں شروع کی گئی تھی، سے متعلق ہے۔ اس باب کے لیے شیخ کے 'مکتوبات ربانی' کو ماخذ بنایا گیا ہے اور صرف وہی مکتوبات استعمال کیے گئے ہیں جو ارباب حکومت کے نام ہیں۔ اچھا ہوتا اگر معاشرے کے مختلف طبقات سے متعلق جو مکتوبات ہیں ان سے بھی استفادہ کیا جاتا، کیوں کہ سماجی برائیاں مختلف طبقات میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سرایت کرگئی تھی۔ شیخ احمد سرہندی نے صوفیاء میں غیر اسلامی رسوم اور افکار پر بھی سخت تنقید کی ہے۔ مثال کے طور پر بہت سے نام نہاد صوفیاء میں یہ تصور مقبول ہوگیا تھا کہ ولی کا مرتبہ نبی کے مرتبہ سے افضل ہے۔ اس تصور کی وجہ تسمیہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے قول کی غلط توجیہ تھی۔ ابن عربی کے مطابق نبی کی شخصیت کے دو پہلو ہیں، ایک وہ جس میں وہ اللہ تعالیٰ کے پیغام کی تبلیغ اور ترویج کے سلسلے میں اہل دنیا کے ساتھ مصروف رہتا ہے اور دوسرا پہلو وہ ہے جس میں وہ عبادت اور ذکر الٰہی میں مشغول ہوتا ہے۔ یہ دوسرا پہلو زیادہ اہم ہے۔ اس کی غلط توجیہ کر کے خود غرض صوفیاء نے نبی سے افضل ہونے کا دعویٰ کرنا شروع کردیا تھا۔ ہندوستانی لٹریچر میں اس کا سب سے پہلے حوالہ حضرت نظام الدین اولیاء کی ملفوظات 'فوائد الفواد' میں ملتا ہے۔ شیخ نے اس کو مذہب باطل کہتے ہوئے فرمایا: ''مذہب بعضی آنست کہ اولیاء بر انبیاء فضیلت دارند۔ سبب آنکہ انبیاء بیشتر احوال با خلق مشغول اند و این مذہب باطل است ما زمانی کہ با حق مشغول می شوند آں یک زمان بر جملہ اوقات اولیاء شرف دارد'' (فوائد الفواد، لاہور ۱۹۶۶ء، ص ۲۰۸)۔ حضرت نظام الدین اولیاء کے بعد شیخ شرف الدین یحییٰ منیری نے بھی ایسے گم راہ صوفیا کا ذکر اپنے مکتوبات صدی کے مکتوب نمبر بیس (۲۰) میں کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہر نبی ولی پہلے ہوتا ہے اور پھر نبوت سے سرفراز ہوتا ہے، جب کہ ولی صرف ولی ہی رہتا ہے، اس کو عظمت نبی کی اتباع کرنے سے ہی ملتی ہے۔ شیخ احمد سرہندی کے مکتوبات میں بھی اس گم راہ کن تصور کی سخت الفاظ میں مذمت ملتی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تصور نام نہاد صوفیاء میں ان کے زمانہ تک رہا۔ لیکن ان کے بعد کسی صوفی کے تذکرہ یا ملفوظات میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔

اخیر میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ عہد وسطیٰ کے ہندوستان کے نظام عدل سے متعلق ظفر الاسلام کی دوسری تالیفات کی طرح موجودہ تالیف بھی ایک بڑی کمی کو پورا کرتی ہے۔ اس کے مطالعہ سے تاریخ اور ثقافت میں دل چسپی رکھنے والوں کی معلومات میں اچھا اضافہ ہوگا۔ اس خدمت پر مصنف قابل مبارک باد ہیں۔ (اقتدار حسین صدیقی)

© rasailojaraid.com